دنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے ہر احمدی مبلغ بن جائے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۴ / مارچ ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

دنیا ہمیشہ سے مختلف وجوہات اور اسباب کی بنا پر باہم دگر برسر پیکار رہی ہے لیکن بعض زمانوں میں اور بعض خاص وقتوں میں یہ لڑائیاں بہت زیادہ شدت اختیار کر جاتی ہیں۔ چنانچہ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں انسان انسان کے ساتھ جس شدت سے برسر پیکار ہے اور جتنی زیادہ وجوہات کی بنا پر انسان انسان میں لڑائی ہو رہی ہے دنیا میں کم ہی ایسے مواقع آئے ہوں گے کہ جب لڑائی کی وجوہات بھی اتنی زیادہ ہوئی ہوں اور شدت بھی انتہائی درجے تک پہنچی ہو۔ بعض اوقات تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر صبر کی انتہائی قوتیں کارفرما نہ ہوں تو انسان ایک دوسرے سے لڑتے ہوئے انسانیت کے وجود کو ہی ختم کر دے گا۔ نہ صرف یہ کہ لڑائی کی وجوہات اور اسباب بڑھتے چلے جا رہے ہیں بلکہ وہ ہتھیار جو انسان کو آج میسر ہیں وہ اتنے قوی، اتنے ہیبت ناک اور اتنے وسیع الاثر ہیں کہ اگر وہ کسی وقت بھی لڑائی کے میدانوں میں استعمال ہونے لگیں تو حقیقت یہ ہے کہ علاقوں کے علاقے زندگی کے وجود ہی سے خالی ہو جائیں گے۔ بہت سے مفکرین جو جنگ کے حالات کا جائزہ لیتے رہتے ہیں وہ اس بات پر متفق ہیں کہ اس وقت انسان انسان کے درمیان ایک ہولناک عالمگیر جنگ کو

روکنے کے لئے صرف ایک ہی مانع باقی ہے اور وہ ہے ہتھیاروں کا ہولناک ہونا۔ یہ ہتھیار اتنے خوفناک ہو چکے ہیں اور اتنی شدت اختیار کر چکے ہیں کہ اگر ان سے ایک دفعہ لڑائی چھڑ جائے تو تمام وہ لوگ جو ان ہتھیاروں کی کنہ سے واقف ہیں اور ان کے اثرات کا کچھ تصور رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ قومیں بھی تباہ ہو جائیں جو اس لڑائی میں غالب آجائیں اور وہ بھی تباہ ہو جائیں گی جو مغلوب ہوں اور دونوں طاقتوں کے ہاتھ میں عملاً کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ پس یہی ایک خوف ہے جو اس وقت جنگ میں مانع ہے۔ آپ نے ہیروشیما اور ناگاساکی کی تباہی کے قصے سنے ہوں گے۔ ان شہروں پر ایسے بم گرے تھے جنہوں نے صرف شہریوں کو ہی ہلاک نہیں کیا بلکہ ان بموں کے اثرات سے اردگرد علاقوں میں بھی انتہائی ہولناک تباہیاں پھیلیں اور سال ہا سال تک قسم قسم کی بیماریاں اور وبائیں وہاں پھوٹتی رہیں۔

یہ بم ان عام بموں سے بالکل مختلف ہیں جن کا تصور دنیا کے ان ممالک میں پایا جاتا ہے جہاں غیر معمولی ترقی نہیں مثلاً پاکستان اور ہندوستان وغیرہ۔ ان علاقوں کے عوام سمجھتے ہیں کہ بم سے مراد صرف یہ ہے کہ ایک دھماکہ ہوا جس کے نتیجے میں کچھ عمارتیں منہدم ہوئیں اور کہیں آگ لگ گئی لیکن جن ہتھیاروں کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ ان سے بالکل مختلف ہیں۔ چنانچہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرنے والے بموں سے جو ہلاکت ہوئی وہ وہیں ختم نہیں ہوئی کہ سارے کا سارا شہر دھپ سے اڑ گیا بلکہ انہوں نے ایسے ریڈیائی اثرات پیچھے چھوڑے جو ایسی نہ نظر آنے والی لہروں کی صورت میں موجود رہے جیسی آپ ریڈیو اور ٹیلی وژن میں دیکھتے ہیں۔ آپ کو علم تو ہے کہ وہ لہریں موجود ہیں کیونکہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے آپ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن صرف بصیرت کی آنکھ سے دیکھتے ہیں ظاہری آنکھ سے وہ نظر نہیں آرہی ہوتیں۔ اسی قسم کی لہریں ان نئے بموں سے نکلتی ہیں جو انسانی زندگی کو تباہ کرنے کے لئے دو طرح سے اثر انداز ہوتی ہیں۔

ایک ہے براہ راست ہلاکت لیکن اس سے بھی زیادہ خوفناک اثر یہ ہے کہ انسان مرتا بھی نہیں اور زندہ بھی نہیں رہتا بلکہ بین بین حالت میں اس طرح زندگی گزارتا ہے جس طرح کینسر کا مریض اپنی بیماری کے انتہائی خطرناک لمحات میں زندگی گزارتا ہے۔ یہ لہریں انسانی زندگی کی کنہ کو تبدیل کر دیتی ہیں اور ان مرکزی خلیوں پر حملہ آور ہوتی ہیں جو اپنے اندر زندگی کا پروگرام رکھتے ہیں۔ حقیقت

یہ ہے کہ انسانی زندگی کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کردہ ایک خاص پروگرام کے تابع کام کررہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ذرے کے اندر اربہا ارب معلومات چھاپی ہوئی ہیں اور ہدایات کا جو اندرونی نظام ہے وہ اس کے تابع کام کرتا ہے۔ الغرض یہ لہریں ان ذروں پر حملہ آور ہوتی ہیں اور اس پروگرام کو تباہ کردیتی ہیں۔ نتیجۃً زندگی کا سارا نقشہ بدل جاتا ہے۔

چنانچہ جو لوگ ان بموں کے اثرات سے بعد میں متاثر ہوئے ان کے ہاں اتنے مکروہ اور بدہیئت بچے پیدا ہوئے جن کو دیکھ کر بھی گھن آتی تھی اور خوف محسوس ہوتا تھا۔ کسی کے پیٹ میں آنکھیں نکل آئیں تو کسی کے سر پر۔ ان لہروں نے زندگی کا تمام نظام درہم برہم کردیا۔ بعض لوگوں پر بظاہر ان لہروں کے کوئی اثرات نظر نہیں آرہے تھے لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ایسے اثرات بھی ظاہر ہوئے جن سے اگلی نسل متاثر ہوئی اور نہایت خوفناک قسم کے بچے پیدا ہونے لگے۔ تب ان کو پتہ چلا کہ جو ہتھیار ایجاد ہوئے ہیں ان کا کتنا خوفناک اثر انسانی زندگی پر پڑسکتا ہے۔ جو مر گئے وہ تو بعد کے اثرات کو نہ دیکھ سکے لیکن جو زندہ بچ رہے انہوں نے ان بموں کے بہت ہی خوفناک اثرات دیکھے جو ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرائے گئے تھے۔ چنانچہ بعض لوگوں کے جسم گل گئے، بعض کے بال جھڑ گئے، بعض کے ناخن گل گئے، بعض کے جگر تباہ ہوگئے اور کئی ایک کی آنکھیں جاتی رہیں۔ الغرض انسان کو ایسے مختلف عوارض لاحق ہو گئے جن کا علاج انسان کے بس میں نہیں تھا۔ کیونکہ ریڈیائی بیماریوں سے جو اثرات پیدا ہوتے ہیں وہ اتنے خوفناک ہوتے ہیں کہ انسان دوسرے ذرائع سے ان کا علاج کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔

یہ اثرات اس ایک بم کے ہیں جو ہیروشیما پر گرایا گیا تھا اور جو آج ایک قصہ پارینہ بن چکا ہے اس لئے کہ آج کی دنیا میں جو نائیٹروجن بم اور ہائیڈروجن بم ایجاد ہوئے ہیں وہ اتنے طاقتور ہیں کہ ایک شہر یا دو شہروں کو تباہ کرنے کا سوال نہیں ہے۔ اب تو اس طرح گنتی کی جاتی ہے کہ سارے انگلستان کو تباہ کرنے کے لئے کتنے بموں کی ضرورت ہے؟ چنانچہ ایک دفعہ بموں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ہلاکت کے متعلق انگلستان کے وزیراعظم اور امریکہ کے صدر کے درمیان گفتگو ہوئی۔ انگلستان کے وزیراعظم کی مدد کے لئے ایک سائنسدان جو ان باتوں سے واقف تھا وہ بھی اس کے ساتھ گیا ہوا تھا۔ گفتگو کے دوران اس نے امریکہ کے صدر سے کہا کہ اگر آج لڑائی چھڑ جائے تو آپ

کا ملک جو بڑا وسیع ہے اس کا کچھ نہ کچھ حصہ لازماً بچ جائے گا مگر ہمارے ملک کا کیا بنے گا؟ کیونکہ ہمارے اندازے اور جائزے کے مطابق سارے انگلستان کو ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کے لئے صرف تین یا چار بموں کی ضرورت ہے۔ ایک شہر نہیں، بلکہ پورا ملک جو کروڑوں کی آبادی پر مشتمل ہے اور جس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا فاصلہ قریباً پندرہ سولہ سو میل کا بنتا ہے۔ اس کو تباہ کرنے کے لئے تین یا چار بم کافی ہوں گے۔ پھر اس سائنسدان نے انگریزی میں کہا

To be on the safe side at most seven would be enough.

اس نے "Safe Side" کا محاورہ بڑے دلچسپ رنگ میں استعمال کیا کہ اگر محفوظ اور محتاط اندازہ کرنا ہو تو زیادہ سے زیادہ سات بم کافی ہوں گے اس سے زیادہ کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

پس یہ امر واقعہ ہے کہ یہ بم ہولناک ہونے کے لحاظ سے ہماری دنیا میں بسنے والے انسانوں کے تصور کی حدود سے بہت زیادہ تجاوز کر چکے ہیں۔ اس قسم کے دو یا چار یا پانچ بم تیار نہیں ہوئے بلکہ ہزار ہا کی تعداد میں تیار ہو رہے ہیں۔ بڑے بڑے ملک جو دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں ایک دوسرے کو نشانہ بنائے بیٹھے ہیں اور وہ نشانے اس نوعیت کے ہیں کہ اگر رشین بلاک امریکن بلاک پر اچانک حملہ کر دے تو امریکن بلاک کے بم جو مقابلے کے لئے تیار بیٹھے ہیں وہ اس بات کا انتظار نہیں کریں گے کہ کوئی ان کو حکم دے تو وہ چلیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو جو ملک حملہ میں ابتدا کرتا ہے وہ لازماً جیت جائے گا۔ مثلاً اگر روس ابتدا کرتا ہے اور اپنے بموں کو امریکہ پر حملہ کرنے کا حکم دیتا ہے تو امریکہ تباہ ہو جائے گا اور امریکہ کے بموں کو چلانے کے لئے آرڈر کہاں سے آئے گا؟ اگر سارا وائٹ ہاؤس ہی تباہ ہو جائے اور وہ لوگ جو فیصلوں کے مجاز ہیں وہ اچانک صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں تو کون حکم دے گا کہ جنگ شروع ہو چکی ہے، اس لئے جوابی حملہ کرو۔ اب ایک نیا سسٹم رکھا گیا ہے کہ مختلف علاقوں میں ایسے میزائل جو ہر وقت حملہ کے لئے تیار رہتے ہیں ان کو یہ آرڈر ہے کہ اگر تمہیں رکنے کا آرڈر نہ ملے تو تم نے چل پڑنا ہے۔ یہ میزائل آبدوزوں، کشتیوں میں نصب ہیں، زیر زمین علاقوں میں بھی ہیں اور پہاڑوں میں چھپا کر رکھے گئے ہیں۔ اسی طرح ہوائی جہاز ہر وقت ایک دوسرے کی طرف حرکت کر رہے ہیں اور ان کو بھی یہی آرڈر ہے کہ اگر یہ آرڈر نہ ملے کہ تم نے رکے رہنا ہے تو یہ چل پڑیں گے۔ چنانچہ وہ علاقے جہاں یہ بم رکھے گئے ہیں وہاں کمپیوٹرز اور دیگر ذرائع سے ہر وقت

یہ آرڈر جاری ہو رہے ہیں کہ بموں نے نہیں چلنا، نہیں چلنا، نہیں چلنا۔ اگر کسی وقت وہ کمپیوٹرز خراب ہو جائیں یا وہ علاقے اچانک تباہ کر دیئے جائیں تو یہ سارے بم از خود چل پڑیں گے۔ پھر ان کو کوئی روک نہیں سکے گا۔ اس لئے حملہ آور ملک کو بھی یقین ہو چکا ہے کہ اگر میں حملے میں ابتدا بھی کرلوں اور ’اچانک پن‘ جس کو "Surprise" کہتے ہیں اس کے سارے فوائد مجھے حاصل ہو جائیں تب بھی میرے خلاف اتنے بم ضرور چل جائیں گے جن سے میرا اکثر حصہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

یہ وہ خوف ہے جو اس وقت جنگ کو روکے ہوئے ہے اور یہ خوف دونوں فریقوں کو لاحق ہے اس لئے دونوں طاقتیں یہ کوشش کر رہی ہیں کہ وہ کوئی ایسی حیرت انگیز ایجاد کریں جس کے نتیجے میں انہیں ایک دوسرے پر نمایاں فوقیت حاصل ہو جائے۔ یعنی اگر ان میں سے کوئی لڑائی میں پہل کرے تو اسے یہ یقین ہو کہ وہ جواباً تباہ و برباد نہیں ہو سکے گا۔ جس وقت کسی بلاک کو یہ فوقیت حاصل ہوگئی اس وقت دنیا کے امن کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

کہتے ہیں ایک بادشاہ نے ایسی تلوار بنائی ہوئی تھی جو ہر وقت اس شخص کے سر پر لٹکی رہتی تھی جو بادشاہ کے سامنے بیان دے رہا ہوتا تھا۔ جب بھی اسے شک پڑتا کہ یہ شخص غلط بیانی کر رہا ہے تو بادشاہ کے اشارے پر وہ تلوار گر جاتی تھی۔ وہ باریک سا دھاگہ جس سے تلوار لٹکی ہوتی تھی اس کو کاٹ دیا جاتا تھا اور وہ اس کو ہلاک کر دیتی تھی۔ آج اس سے بھی زیادہ باریک دھاگے کے ساتھ ساری انسانیت کی ہلاکت کی تلوار اس کے اوپر لٹک رہی ہے۔ سارے انسانوں کی ہلاکت کی تلوار کیوں باریک تر دھاگوں سے لٹکی ہوئی ہے؟ اس لئے کہ دونوں طرف اخلاق، انسانیت، انصاف اور خوف خدا کا کوئی تصور نہیں ہے۔ خالصةً مادہ پرستی کے موجبات اور اسباب ہیں جو حملے پر آمادہ کر رہے ہیں یا حملے سے روک رہے ہیں۔ اخلاقیات کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ خدا تعالیٰ کے خوف کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ سو فیصد خود غرضی پر مبنی خیالات اور سوچیں ہیں جنہوں نے بالآخر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ جنگ شروع کرنی ہے یا نہیں۔

ایسے خطرناک دور میں جب کہ انسان کی تقدیر لامذہبی طاقتوں کے ہاتھ میں جاچکی ہو، احمدیت پر کیا ذمہ داریاں آتی ہیں؟ یہ ہیں وہ باتیں جو ہر احمدی کو سوچنی چاہئیں۔ **امر واقعہ یہ ہے کہ احمدیت دنیا کو ہلاکتوں سے بچانے کا آخری ذریعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کیا گیا ہے۔**

آخری ذریعہ ان معنوں میں کہ اگر یہ بھی ناکام ہو جائے تو دنیا نے لازماً ہلاک ہونا ہے۔ پھر اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اور آخری ذریعہ ان معنوں میں کہ اگر یہ کامیاب ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کو اس قسم کی ہلاکت کا کوئی خوف ایک لمبے عرصے تک دامنگیر نہیں ہوگا۔

یہ ایک عظیم ذمہ داری ہے۔ اسی لئے **میں بار بار یہ اعلان کر رہا ہوں کہ داعی الی اللہ بنو، دنیا کو نجات کی طرف بلاؤ، دنیا کو اپنے رب کی طرف بلاؤ، ورنہ اگر بے خدا انسان کے ہاتھ میں دوسروں کی تقدیر چلی جائے تو ان کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے** اور اس وقت امر واقعہ یہی ہے۔ نہ صرف یہ کہ بے خدا انسان کے ہاتھ میں لوگوں کی تقدیر گئی ہوئی ہے بلکہ اس کے ہاتھ اتنے مضبوط ہو چکے ہیں اور ان میں ایسے خوفناک ہتھیار آ چکے ہیں کہ وہ جب بھی چاہے دنیا کے تمام انسانوں کو ہلاک کر سکتا ہے۔

چنانچہ جب آئن سٹائن سے پوچھا گیا کہ تیسری عالمگیر جنگ کن ہتھیاروں سے لڑی جائے گی؟ (یہ دوسری جنگ عظیم کے بعد کا واقعہ ہے) تو اس نے یہ جواب دیا تھا کہ تیسری جنگ کے ہتھیاروں کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہوں گا لیکن میں یہ بتا دیتا ہوں کہ چوتھی جنگ ڈنڈوں اور پتھروں سے لڑی جائے گی۔ مطلب یہ تھا کہ تیسری جنگ کے ہتھیار اتنے خوفناک ہو چکے ہوں گے کہ انسان نہ صرف بحیثیت انسان اس دنیا سے تقریباً مٹ چکا ہوگا بلکہ اس کی تمام سائنسی ترقیات، تمام ماحصل، تمام تہذیب غرضیکہ ہر چیز فنا ہو چکی ہوگی۔ جو لوگ بچیں گے وہ شاید پتھر کے زمانہ کے لوگ ہوں یا غاروں اور پہاڑوں میں بسنے والے لوگ۔ ان کی لڑائی تو پتھروں اور ڈنڈوں سے ہی ہوگی کیونکہ اس سے زیادہ ہماری تہذیب میں سے کچھ بھی ان کو حاصل نہیں ہوگا اور ہمارے علم میں سے کچھ بھی ان تک نہیں پہنچا ہوگا۔ تمام علمی خزانے مٹ چکے ہوں گے، تمام سائنسدان تباہ ہو چکے ہوں گے اور تمام تہذیبوں کے سرچشمے ختم ہو چکے ہوں گے۔ بچا کھچا انسان جو اس وقت غاروں یا جنگلوں میں بس رہا ہوگا وہ ان چیزوں سے بے بہرہ ہوگا اس لئے اس کی لڑائی اس قدیم زمانے کی طرف واپس لوٹ جائے گی جو پتھروں یا غاروں کا زمانہ کہلاتا ہے۔

ان حالات میں ایک احمدی پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو پورے شعور، پوری بیداری اور بیدار مغزی کے ساتھ ادا کرنا پڑے گا کیونکہ اب وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اگر جماعت احمدیہ ساری دنیا میں فعال ہو جائے اور تیزی کے

ساتھ بنی نوع انسان کو ہدایت کی طرف بلانا شروع کردے اور دنیا واقعۃً متاثر ہو کر اسلام کی طرف آنے لگے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہلاکت اور تباہی کی مہلت کو بڑھا دے گا کیونکہ وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کی رحمت ہر دوسری صفت پر غالب ہے۔ اس لئے اگر آپ دنیا کو تبلیغ کریں اور پھر وہ اس تبلیغ کو سننے اور اسلام کی طرف مائل ہونے لگے تو آپ بلا خوف وخطر اور بغیر کسی اشتباہ کے اس بات کی ضمانت دے سکتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ خطرات لازماً ٹل جائیں گے اور انسان کو خدا یہ موقع نہیں دے گا کہ وہ ہلاکت کے اتنے اہم اور خطرناک فیصلے کر سکے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا اور آپ نے اپنی ذمہ داری کو ادا نہ کیا تو پھر اس دنیا کے بچنے کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

یہ خیال کہ اسلام نے بہر حال غالب آنا ہے اس لئے لازماً ساری دنیا بچائی جائے گی، اس کے اندر تھوڑی سی Fallacy، غلط فہمی اور ایک ابہام سا پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کے انبیاء غالب تو ضرور آیا کرتے ہیں لیکن وہ غلبہ دو قسم کا ہوا کرتا ہے۔ ایک غلبہ تو یہ ہے کہ ساری قوم یا اس کی اکثریت ایمان لے آئے اور ایک ایسا غلبہ کہ ایمان نہ لانے کے نتیجہ میں انسان کی اکثریت کو ہلاک کر دیا جائے۔ یہ دونوں قسم کے غلبے ہمیں قرآن کریم میں ملتے ہیں اس لئے اس بارے میں بہر حال کوئی شک نہیں کہ اسلام لازماً غالب آئے گا مگر اس کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جو لوگ اسلام کے پیغام کو نہ سنیں ان کو بہت وسیع پیمانے پر ہلاک کر دیا جائے اور پھر جو بچے ان پر اسلام غالب آ جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم نے کونسا غلبہ اپنے لئے پسند کرنا ہے؟ وہ غلبہ جو کم سے کم ہلاکت کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے یا وہ غلبہ جو زیادہ سے زیادہ ہلاکت کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اگر تو حضرت نوح علیہ السلام ہمارے امام ہوتے تو ہمیں دوسرے غلبے کا حاصل ہونا کوئی بعید نہیں تھا اور کوئی تعجب کی بات نہیں تھی مگر ہمارے امام تو حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں جن کے غلبے میں کم سے کم جانی اتلاف اور نقصان ہوا ہے۔ جو لوگ آنحضور ﷺ پر اسلام کو جبر سے پھیلانے کا الزام لگاتے ہیں اگر وہ تاریخ کے حقائق کو یکجا کر کے دیکھیں تو وہ حیران رہ جائیں گے کہ تمام انسانی تاریخ میں کبھی کسی انسان کو اتنا عظیم غلبہ بہت ہی کم جانی قربانی کے نتیجہ میں حاصل نہیں ہوا جو حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہوا۔ سارے عرب کے غلبہ کے نتیجے میں جو جانوں کی تلفی ہوئی ان کی تعداد سینکڑوں سے زیادہ نہیں بنے گی۔ یعنی حضور اکرم ﷺ کو جو غلبہ حاصل ہوا اس میں بہت کم جانی نقصان ہوا ہے۔ صحابہؓ کی شہادتیں بھی شامل

کر لی جائیں اور دشمنوں کا قتل بھی شامل کر لیا جائے تب بھی تمام جنگوں کا جانی نقصان سینکڑوں سے آگے نہیں بڑھتا اور پھر بڑی بڑی قوموں کو جو فتح کیا گیا وہاں بھی نسبتاً انتہائی معمولی جانی قربانی اور نقصان کے نتیجہ میں عظیم الشان فتوحات نصیب ہوئیں۔

پس ہمارے لئے جو مقصد حیات مقرر کیا گیا ہے وہ تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی اور آپؐ کے نمونے پر انقلاب برپا کرنا ہے اس لئے ہلاکتوں والا انقلاب تو ہمیں سجتا نہیں، ہمیں تو ایسا انقلاب چاہئے جو آنحضرت ﷺ نے دنیا میں برپا کر کے دکھایا۔

اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ہم غیر معمولی بیداری کے ساتھ کام کریں۔ جو وقت کھویا جا چکا ہے وہ تو اب واپس نہیں آ سکتا لیکن جو وقت ہمیں میسر ہے اس کا ایک ایک لمحہ ہمیں بہترین رنگ میں استعمال کرنا ہوگا اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ **ہر احمدی بلا استثنا مبلغ بنے۔ وہ وقت گزر گیا کہ جب چند مبلغین پر انحصار کیا جاتا تھا۔ اب تو بچوں کو بھی مبلغ بننا پڑے گا، بوڑھوں کو بھی مبلغ بننا پڑے گا۔ یہاں تک کہ بستر پر لیٹے ہوئے بیماروں کو بھی مبلغ بننا پڑے گا اور کچھ نہیں وہ دعاؤں کے ذریعہ ہی تبلیغ کے جہاد میں شامل ہو سکتے ہیں۔** دن رات اللہ سے گریہ وزاری کر سکتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم چل پھر کر تبلیغ کر سکیں اس لئے بستر پر لیٹے لیٹے تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ تو دلوں کو بدل دے۔ ہم اپنی ذمہ داری کو سمجھ لیں اور اس جذبے کے ساتھ کام شروع کر دیں تو مجھے سو فیصد یقین ہے کہ دنیا کی ہلاکت کی تقدیر اللہ کے فضل سے ٹل سکتی ہے۔

دنیا کے اس ہلاکت سے بچنے کے متعلق بعد میں آنے والے مؤرخین مختلف وجوہات نکالیں گے۔ کوئی کہے گا کہ امریکہ کے فلاں صدر نے فلاں حکمت کا کام کیا اس لئے دنیا ہلاکت سے بچ گئی، کوئی یہ سوچے گا کہ روس کے صدر نے فلاں حکمت کا کام کیا یا صبر کا نمونہ دکھایا اس لئے دنیا ہلاکت سے بچ گئی، کوئی یہ خیال کرے گا کہ اہل یورپ کو اللہ تعالیٰ نے دانش عطا فرمائی تھی اور ان کی حکمتوں کے نتیجہ میں دونوں بلاک یعنی روس اور امریکہ سمجھ گئے اور لڑائی ٹل گئی اور بعض یہ سوچیں گے کہ شاید چین کی طاقت جو Develop ہو رہی تھی اور ترقی کر رہی تھی اس نے ایک ایسا رول Play کیا، ایسا کردار ادا کیا جس کے نتیجے میں دنیا ہلاکت سے بچ گئی لیکن خدا کی تقدیر جانتی ہوگی اور بعد میں آنے والا انسان بھی اس بات کی گواہی دے گا کہ دنیا کی ہلاکت صرف اس باریک دھاگے پر لٹکی ہوئی تھی کہ وہ احمدیت

یعنی حقیقی اسلام کی طرف توجہ کرتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ احمدی بیدار ہوئے، ان کو بشدت اس بات کا احساس ہوا کہ آج دنیا کے ہلاک ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ اس امر پر ہوگا کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے اس طرف توجہ کی، گریہ وزاری سے دعائیں کیں، نیک اعمال کئے اور دنیا کو خدا کی طرف بلایا اور محض اور محض اس وجہ سے دنیا ہلاکت سے بچائی گئی۔ یہ ہے تقدیر کا فیصلہ اور یہی درست ہوگا کہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے سوا اور کوئی طریق انسان کے بچنے کا نہیں ہے۔ بعد میں آنیوالا جو ایک لمبے عرصہ کے بعد پیدا ہوگا وہ بھی یہی سوچے گا اور اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ حقیقت میں دنیا کی نجات احمدیت پر منحصر تھی۔ احمدیوں نے اپنے فرض کو کماحقہٗ ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کو بچالیا۔

اس لئے میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ بار بار آپ کو توجہ دلا رہا ہوں کہ داعی الی اللہ بننے کی کوشش کریں۔ داعی الی اللہ بننے کے لئے کچھ ذمہ داریاں ہیں، کچھ فرائض ہیں، کس طریق پر آپ کامیاب داعی الی اللہ بن سکتے ہیں، کونسی باتیں کرنی چاہئیں اور کونسی نہیں کرنی چاہئیں؟ اس سلسلہ میں میں چند باتیں انشاء اللہ تعالیٰ اگلے خطبے میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔

اس وقت صرف یہ کہہ کر خطبے کو ختم کرتا ہوں کہ جو ذمہ داری میں نے اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق آپ سب پر ڈالی ہے اور توقع رکھتا ہوں کہ ہر احمدی اس ذمہ داری کو پوری توجہ، پورے انہماک اور پورے خلوص کے ساتھ قبول کرے گا۔ اس کے لئے ساری جماعت کو خصوصیت سے دعا کرنی چاہئے۔ میری زندگی کا تجربہ ہے کہ جب بھی دعا کی طرف سے غفلت ہوئی کامیابی نہیں ہوئی اور جب بھی دعا کی طرف توجہ پیدا ہوئی بظاہر مشکل اور ناممکن کام بھی بن گئے۔ موجودہ حالات میں یہ کہنا کہ ہر احمدی مبلغ بن جائے، اتنا مشکل نظر آرہا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میں ایک ناممکن بات کہہ رہا ہوں لیکن ساتھ ہی یہ یقین بھی رکھتا ہوں کہ اگر میں نے دعاؤں میں کمی نہ کی اور اسی طرح جماعت نے بھی کوئی کمی نہ کی تو یہ بات جو بظاہر ناممکن نظر آرہی ہے ضرور ممکن ہو جائے گی۔ اسی حقیقت کو حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے شعر میں یوں بیان فرمایا ہے۔

؎ غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے مرے فلسفیو! زورِ دعا دیکھو تو

(الفضل ۲ جنوری ۱۹۲۲ء)

اس کلام کی سچائی کا جماعت بارہا مشاہدہ کر چکی ہے۔اس لئے ہر احمدی بہر حال اس بات سے اپنی تبلیغ کا آغاز کردے کہ فوری طور پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ دعا کرے اور روزانہ پانچوں وقت اس کو اپنے اوپر لازم کرلے۔ وہ خدا سے یہ التجا کرے کہ اے خدا! ہمیں یہ توفیق عطا فرما کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرسکیں اور تیری نظر میں داعی الی اللہ بننے کا جو حق ہے اس کو ادا کرنے لگ جائیں اور اے خدا! دنیا کو بھی یہ توفیق عطا فرما کہ وہ ہماری باتوں کو سنے، لوگوں کے دل نرم ہوں، ان کی عقلیں صاف اور سیدھی ہو جائیں اور وہ تیرے پیغام کو قبول کرنے لگیں۔اس کے ساتھ یہ دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ نئے آنے والوں کو حوصلہ دے اور ان کو طاقت بخشے کہ وہ مخالفتیں برداشت کر کے بھی حق کو قبول کریں، ان کو برکتیں عطا کرے اور ان سے پیار کا سلوک فرمائے تا کہ وہ دوسروں کے لئے نیک نمونہ بنیں۔ پھر روزانہ بلا ناغہ یہ دعائیں بھی کریں کہ اے خدا! ہر آنے والا داعی الی اللہ بنے، مبلغ احمدی بنے اور پھلجھڑی کا سا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے کہ ایک شمع روشن ہو تو وہ آگے دوسری شمع روشن کرتی چلی جائے۔اگر ساری جماعت یہ دعائیں شروع کردے تو دیکھتے دیکھتے اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا میں عظیم الشان انقلاب برپا ہونے لگیں گے۔

پس دعا پر بہت زور دیں، دعا پر بہت زور دیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کا خلاصہ ہی یہ ہے کہ اول بھی دعا ہے، آخر بھی دعا ہے۔اگر داعی الی اللہ بننا ہے تو اللہ سے دعائیں کرنی ہونگی۔اس سے مدد مانگے بغیر کس طرح داعی الی اللہ بن جائیں گے؟ جس کی طرف بلانا چاہتے ہیں اس سے محبت اور پیار کئے بغیر اس کی طرف کیسے بلائیں گے؟ لیکن ان امور سے متعلق مزید تفصیلات انشاءاللہ آئندہ خطبہ میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم بہت دعائیں کریں اور خلوص دل کے ساتھ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرمائے۔ہم ان کے نیک اثرات دیکھیں۔ ہماری طبیعت میں بشاشت پیدا ہو اور مایوسی ختم ہو جائے۔ دلوں میں ایک یقین اور عظمت کردار کا احساس پیدا ہو جائے۔ہم جاننے لگیں کہ ہم دوسروں سے مختلف ہیں۔ہم خدا والے ہیں اور خدا کی طرف یقین کے ساتھ بلانے والے ہیں۔ یہ وہ احساسات ہیں جو دعا کے نتیجہ میں بیدار ہوتے ہیں اور پھر تبلیغ کامیاب ہوا کرتی ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳۱؍ مئی ۱۹۸۳ء)